ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

نثری نظم کا رُجحان اور ارتقاء۔۔۔ایک جائزہ

سیّد ناصر حسین شاہ
پی ایچ ڈی سکالر
دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

ڈاکٹر صنم شاکر
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو
دی اسلامیہ یونیورسٹی رحیم یار خان کیمپس

رجحان، دبستان اور تحریک تینوں لفظ ہم اپنی گفت گو میں استعمال کرتے ہیں جن کا معنی اس لفظ کی صحت کے حساب سے کم ہی سمجھا جاتا ہے۔ جب ہم کوئی بھی لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کا حسن اور اس کی توانائی اس کے صحت استعمال میں ہی نہیں بلکہ حسن استعمال میں بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔ ورنہ اس کے غلط استعمال سے نہ صرف درست یا غلط کی مخلوط بحث شروع ہو جاتی ہے بل کہ بڑی گمراہیوں کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ اردو ادب میں استعمال ہونے والے بہت سے الفاظ یا اصلاحات ابہام کا شکار ہیں اور کثرت تعبیر کی وجہ سے ان کے معانی و مفاہیم اندھیری کھائی میں جا گرتے ہیں۔

رجحان، دبستان اور تحریک کا اجمالا موازنہ کرتے ہوئے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ نثری نظم کے رجحان اور تحریک پر گفت گو کرنے کے بعد نثری نظم کے نظری مباحث زیر غور آئیں۔

جس طرح مختلف الفاظ کی کثرت تعبیر مفاہیم کے اندھیرے میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہی حال رجحان، دبستان اور تحریک کے ساتھ بھی رہا ہے جس کے نتیجے میں بہت مفروضات اور اختلافات نے جنم لیا اور اس انتشار نے رویوں کو ناقابل فہم بنائے رکھا۔ اردو کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو رجحان کا مفہوم نسبتاً واضح رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی بھی چیز کی طرف جھکاؤ، میلان، راغب ہونا یا سمت بندی انگریزی میں اسے (Trend) کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ (Trend) کے مفہوم کو میلان سے آگے سوچیں تو اس کا مفہوم ایک خاص ذہنی رویے، ایک نہج پہ جا کر مخصوص سوچ اور ایک الگ اسلوب یا طرز کی ابتدا رہا ہے۔ دراصل یہ ایک غیر شعوری ذہنی رویہ اور طبعیت کا ایک طرف جھکاؤ ہوتا ہے جس میں کوئی حرکت ہم کسی منصوبہ بندی کے تحت نہیں کرتے اور اس میں منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ ابلاغ اور تشہیر کے عناصر موجود نہیں ہوتے ہاں البتہ اس میں مائل اور متاثر کرنے کی جہت ضرور موجود ہوتی ہے جس میں کسی حد تک شعوری کیفیت بھی شامل ہو جاتی ہے۔

عموماً رجحان کا کوئی عام یا خاص مقصد نہیں ہوتا وقت کے ساتھ ساتھ رجحان تبدیل ہو جاتے ہیں جیسے زندگی کے مختلف ادوار میں طبیعت مختلف چیزوں اور کاموں کی طرف مائل ہوتی ہے یا اُس وقت کے کسی بھی رجحان کی طرف انسان کی ذہنی یا فکری رنگا رنگی ہوتی ہے میلان، تبدیلی، جھکاؤ، رغبت اور ترقی کی سمت بڑھنے کو ہم رجحان کا نام دیں گے۔ جب کسی رجحان میں مکمل طور پر شعوری طاقت ہو اور اہل علم کی بڑی تعداد اس شعور کی طاقت کی طرف مائل ہونے لگے اور اس کے اصول و ضوابط اور مقصد واضح ہونے لگے تو تحریک جنم لیتی ہے۔ جیسے ایہام گوئی کا رجحان جو بعد میں تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ اسی طرح ادب میں مختلف رجحانات آتے رہے جو بعد میں مختلف تحریکوں کی شکل میں سامنے آئے۔ رجحان کے بارے میں ڈاکٹر منظر اعظمی کی رائے پیش ہے:

> "رجحان کا تعلق ذہنی رویے سے ہے اور جب کسی فکر یا ہئیت سے متعلق ایک یا ایک سے زیادہ افراد ایک ہی انداز سے سوچنے اور لکھنے لگ جاتے ہیں تو وہ رجحان کہلانے لگتا ہے رحمان قوی بھی ہو سکتا ہے یہاں تک کہ تحریک بن جائے اور کمزور بھی ہو سکتا ہے کہ چند برسوں میں ہی دم توڑ دے، ادبی رجحانات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو عموماً ان کی دو شکلیں ظاہر ہوں گی (۱) قومی رجحانات اور (۲) کم قومی رجحانات۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ عموماً رجحانات شخصی اجتہادات، حالات کے دباؤ یا تقاضوں کے تحت اور مختلف سیاسی، سماجی، مذہبی اور ثقافتی تحریکات کے زیر اثر پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر ہر ایک کی عمر برابر نہیں ہوتی۔ کچھ زیادہ مقبول ہوتے ہیں کچھ کم، بعض قومی رجحانات دوسرے رجحانات سے متاثر نہیں ہوتے مگر ایسے بھی ہوتے ہیں جو آپس میں بغل گیر بھی ہوتے ہیں اور عمل رد عمل منطقی نتیجے کے طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی رجحانات ہیں جو معمولی اور نحیف ہیں مثلاً لکھنؤ کی شاعری میں نسائیت کا رجحان مراختوں اور تذکروں کا رجحان دکن میں مثنویوں کا رجحان، ۱۹ویں صدی کے نصف آخر میں تمثیلی تخلیقات کا رجحان اور انگریزی الفاظ کے استعمال کا رجحان غیرہ۔"(۱)

دبستان یا اسکول آف تھاٹ (School of thought) رجحان یا تحریک نہیں ہوتی۔ دبستان کا تعلق مخصوص قواعد و ضوابط، مخصوص نظریہ اور ان کی پیروی کرنے سے ہے۔ اس میں خاص نظریہ کے حامل افراد کا وہ گروہ ہوتا ہے جن کا تعلق ایک ہی مکتبہ فکر سے ہوتا ہے۔ ایک شہر میں کئی دبستان یا مکاتب فکر کے لوگ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

ہو سکتے ہیں۔ بعض حالات میں دبستان کا تعلق فکر اور طرز اسلوب سے بھی ہوتا ہے یعنی دبستان دہلی میں ایسی فکر اور طرز اسلوب کا گروہ موجود تھا جو معاشرے کے واقعات کو اپنے مخصوص طرز نگارش سے شاعری میں خزینہ عناصر پیش کرتا تھا۔ دبستان لکھنؤ کا طرز اور اصول نگارش دہلی سے مختلف رہا۔ ایسا گروہ جو ایک ہی دبستان سے تعلق رکھتا ہو اپنے مخصوص طرز و اسلوب یا فکری رویے کے لیے خاص جدوجہد یا تبلیغ نہیں کرتا، البتہ کسی بھی مکتبہ فکر یا دبستان کے زیر اثر متاثر ہو کر حلقہ بگوش ہو جائیں تو پھر بھی وہ دبستان ہی رہے گا تحریک نہیں ہو گی کیوں کہ انہوں نے دوسرے خطوں میں اپنے نقطہ نظر کی تبلیغ نہیں کی بل کہ ان کی فکر و نظر اس نہج تک پہنچ جائے کہ اُس کو قبول کیا جانے لگے۔

منظر اعظمی دبستان کے متعلق لکھتے ہیں:

> "اس میں کوئی مقصد نہیں ہوتا جس کے لئے دوڑ دھوپ کی جائے۔ اس لئے یہ تحریک نہیں ہوتے۔ اس میں تحریص، ترغیب اور تبلیغ بھی نہیں ہوتی کہ ایک مشن بنا کے لوگ اس کے اصولوں کو منواتے پھریں۔ ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص، ادیب یا شاعر ایک خاص طرز یا اسلوب پسند کر لیتا ہے اس سلسلے میں ترک و اخذ کے کچھ اصول بنا لیتا ہے جن کی پابندی کا وہ اپنے شاگردوں سے مطالبہ کرتا ہے جہاں جہاں کے جتنے لوگ بھی اس کے حلقہ بگوش ہو جاتے ہیں اس دبستان سے متعلق ہو جاتے ہیں۔"(۲)

رجحان انسان کی ذہنی و فکری ترنگ کا نام ہے۔ دبستان ایک مخصوص حلقے سے موسوم کیا جاتا ہے جب کہ تحریک ایک وسیع تر دائرے کا نام ہے۔ تحریک اپنی روانی سے دریا یا سیلاب کی مانند رواں دواں رہتی ہے۔ یہ اپنی وسعت کے باوجود اس خاص مقصد کو فراموش نہیں کرتی جو وہ مقصد لے کے چلتی ہے تحریک اپنے اندر نظر اور نظریے کی لہریں پھیلاتی ہے جس میں یک جہتی اور یکسوئی کار فرما ہوتی ہے۔ کوئی بھی تحریک ہو وہ اپنے مقصد کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی۔ تحریک کو ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جو تحریک میں روح پھونکنے کا کام کرتا ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ جیسے تحریک پاکستان میں ایک رہنما اور اس کے قافلے میں دیگر رہنماؤں نے مل کر اپنے مقصد کو حاصل کیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی سماجی اور ادبی تحریکوں نے جنم لیا اور کسی حد تک اپنے مقاصد کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ فارسیت کی تحریک، ایہام گوئی کی تحریک، تحریک علی گڑھ، ترقی پسند تحریک، نظم نگاری کی تحریک رومانوی تحریک وغیرہ۔ یہ وہ تحریکیں ہیں جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں نہ صرف ادب کو فروغ دیا بل کہ اپنے خاص مقاصد بھی حاصل کئے۔ ان میں سر فہرست تحریک علی گڑھ ہے جس میں سر سید احمد خان نے اساسی رہنما کا کردار ادا کیا اور اس تحریک میں ان کے رفقانے رہنماؤں کے طور پر شانہ بہ شانہ حصہ لیا۔ مسلمانوں کی اصلاح کے لئے اجلاس منعقد کئے گئے۔ رسائل نکالے گئے جن میں مسلمانوں کی اصلاح کی طرف توجہ دی گئی۔

جس طرح ذکر کیا جا چکا ہے کہ معاشرے میں مذہبی سیاسی، اور سماجی تحریکیں چل رہی ہوتی ہیں اور وہ بلا واسطہ ادبی تحریکوں کی بھی حمایت (Support) کر رہی ہوتی ہیں مثال کے طور پر سر سید احمد خاں کی مذہبی، سیاسی، سماجی اور تعلیمی تحریک نے نیچرل شاعری کے فروغ میں مدد کی۔ اسی طرح ادب ہی کی بڑی تحریک، ترقی پسند تحریک، جس میں تحریک کو منظم طریقے سے ترتیب دیا گیا۔ اس کے تنظیمی ارکان کی فہرست تیار کی گئی۔ باقاعدہ اجلاس منعقد ہوتے رہے اور وہ تحریک اس طرح پھیلی کہ تقریباً ہر ادیب اور شاعر ایک ہی مقصد کے تحت ادب تخلیق کرتا رہا جس نے نہ صرف کتھارسس کا کام کیا بل کہ قوت استبداد کی گھناونی شکل معاشرے کے افراد کے سامنے واضح کر دی۔ یوں ایک منظم تحریک کے طور پر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتی ہوئی دکھائی دی۔ "تحریک" کو انور سدید یوں بیان کرتے ہیں:

> "کسی مخصوص رجحان کا جادو جب معاشرے کے ایک وسیع طبقے کو اپنی گرفت میں لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر ایک تحریک مرتب ہونے لگتی ہے۔ وہ یوں کہ رجحان کی مخفی، زیریں یا بے نام لہریں معاشرے کی سطح پر کروٹ لینے لگتی ہیں۔ اور پھر کسی خاص سمت میں متحرک ہو جاتی ہیں۔ لہذا رجحان اور تحریک میں ایک فرق تو یہ ہے کہ رجحان زیادہ تر بے نام اور بے صورت ہوتا ہے مگر تحریک واضح خدوخال میں خود کو منکشف کرتی ہے۔ دوسرے رجحان بے سمت ہوتا ہے جبکہ تحریک ایک تیز رفتار دریا کی طرح کسی خاص سمت میں رواں ہوتی ہے۔ پس رجحان جس تغیر کے لئے زمین ہموار کرتا ہے۔ تحریک اس کی تکمیل کے لئے جنگ لڑتی ہے اور بالآخر فتوحات کے ثمرات سمیٹنے کی کوشش کرتی ہے۔ سیاسی تحریکوں کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ان کے پیروکاروں میں تحریک کے نصب العین میں یقین کامل اور منزل مراد کے حصول کے لیے ایثار اور قربانی کا بے پناہ جذبہ موجود تھا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

۔ چنانچہ جب بھی کوئی کامیاب تحریک منظر عام پر آئی تو اس نے وابستگانی تحریک میں نہ صرف طغیان عمل پیدا کیا۔ بلکہ انہیں اُس جوئے تیز رو کے ساتھ مسلسل چلنے کا ولولہ بھی عطا کیا۔"(۳)

معنی کی تشکیل ہر دور میں تبدیل ہونے والی شاعری میں در آتی رہی بالخصوص جب شاعری کے عہد زریں کا آغاز ہوا تو غالب کے ہاتھوں شاعری کی نئی تشکیل ہوئی اور شعر میں نئے معانی متعارف ہوئے۔ حالی نے کہا تھا کہ "نالہ جرس کارواں" کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ شاعری کے میدان میں جب کاوش کی بجائے انتظار کریں گے تو "یاران تیز گام" محمل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اسی طرح جب غالب نے کہا کہ:

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یا رب
اک آبلہ پا وادیٔ پُرخار میں آوے

تو یہ بھی شاعری میں نئی جہت کی خواہش کا اعلان تھا اسی طرح شاعری مختلف تحریکات سے گزری اور اپنی سمت چلتی بھی رہی اور نئی سمت بناتی بھی رہی۔ وقت نے پیرہن بدلا تو نئی تبدیلی کا احساس ہونے لگا۔ نئی سوچ کے زاویے قائم ہوئے۔ نئی نسل کی گود میں نئی نظم کا جنم ہوا۔ جسے نئی شاعری، نئی نظم یا نثری نظم کا نام دیا جانے لگا۔ نئی نسل کے بطن سے پیدا ہونے والی نئی نظم نئے موضوعات کے فاصلے طے کر رہی ہے۔ اجتماع کی دبی ہوئی چیخ و پکار داخلیت پسندوں کے دلوں میں تیر کی مانند پیوست ہوئی اور الفاظ لہو اگلنے لگے۔ نئے زمانے میں نئی زبان متعارف ہوئی نئی علامتیں وضع ہوئیں۔ نئی نسل کے شاعر اور نظریہ ساز ایک ہی آواز میں پکار رہے تھے جو نئے نئے موضوعات کی شکل میں سنائی دے رہی تھی۔

کلاسیکی عہد کی شاعری ایک ہی دائرے میں چکر لگاتی رہی اور شاعر بھی اُسی دائرے میں گھومتے رہے۔ جب کہ نئی نسل کے شاعر میراجی اور ن م راشد نے شاعری میں نئے معیارات کو وضع کیا۔ جدید ترین یورپی شعریات سے انتساب فیض کیا اور نئی نظم کو انفرادی اظہار کو تاریخ ادب کی زینت بنایا۔ اس دور کے شعرا سامراجی قوتوں کے خلاف آواز بھی ہیں اور مظلومیت کے شارح بھی ہیں۔ جنہوں نے نئی نسل کی آواز بنتے ہوئے ان کے مسائل اپنی سائیکی اور اپنے وجود کے مسائل سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وہ نئی شاعری کا دور ہے جس نے زمینی خداؤں کو رد کیا اور نئی نظم کے وسیلے سے آگ خرید کر ظلم و جبر کا ہاتھ جلانا چاہا۔ جنہوں نے یورپ کی شعری تحریکوں سے اثر قبول کر کے سمبلزم کے سہارے سے دل کھول کر موضوعات میں اضافہ کیا جس سے نئی سوچ کے زاویے قائم ہوئے یہ ایک ایسی تحریک تھی جس نے پرانی روش کو قبول نہیں کیا بل کہ ایک ایسا قصر شاہی تعمیر کیا جس کی پناہ میں نثری نظم کے شعرا نے نظم کی روایت میں فکری جدت پیدا کی۔ ایسا ادب تخلیق کرنے کی کوشش کا آغاز ہوا جس میں جیتی جاگتی زندگی کو پیش کیا جا سکے، ایسا شعور جلوہ گر ہو جس سے فکر و احساس کی روح تخلیق کار کے بطن سے پھوٹتی ہو۔ ادب میں نیا پن اور نئی زندگی کروٹ لیتی محسوس ہوتی ہو۔ ان تمام چیزوں کا ذمہ نثری نظم کے شعرا نے لیا۔

پروز پوئم یا نثری نظم کا رُجحان ترقی پسند اور جدید نظم کی تحریک کے بعد کا نتیجہ ہے یہ ایسا رُجحان تھا جس کے بارے میں بہت سے سوالات اٹھائے گئے کہ جب آزاد نظم اپنے جوبن پہ ہے اور تخلیق کار کی پوری توجہ آزاد نظم پر ہے تو نثری نظم کا کیا جواز ہے ایک بات تو واضح ہے کہ معاشرے میں تھیسز، اینٹی تھیسز اور سینتھیسز کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے۔ ایک چیز کی تخلیق (نظریہ) پھر اس کی مخالفت اور اس کے نتیجے میں نئی تخلیق یا نظریہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ ایک تحریک نے جنم لیا ہو اور اس کے نتیجے میں دوسری تحریک کا جنم نہ ہوا ہو اور اس کے بعد یہ سلسلہ رکتا نہیں ہے انہیں تحریکوں کے سہارے نئے نئے نظریات قائم ہوئے اور ادب پروان چڑھا۔

یورپی قوموں کی آمد ایک انقلاب، حیرت اور حرکت سے گزر رہی تھی اور یورپی شعرا کے اثرات سے نظم ایک نئی جہت کی طرف گامزن ہوئی جسے نثری نظم کہا گیا۔ اس تخلیقی مظاہرے نے افکار، کے ساتھ ساتھ صورت و معنی میں بھی تبدیلیاں کیں ان تبدیلیوں کی وجہ سے شعرا میں تخلیقی شعور کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے اسی تخلیقی شعور نے شعرا کے اندر جرات مندی اور بے باکی کی فضا پیدا کی اور نثری نظم کی تخلیق میں ایسا قدم اٹھایا جس کے تحت ہر شاعر بے باکی سے نظم لکھنے لگا۔ کنایہ کی جگہ تجریدیت اور علامت نے لے لی اور نثری نظم مستحکم بنیادوں پر استوار ہونے لگی۔ نثری نظم کے ہر شاعر نے ایک ایک اینٹ کی حیثیت سے یہ عمارت تعمیر کرنے میں ہر طرح کی کاوش کی یوں سائنسی اور مشینی دور میں تبدیلی محض تبدیلی نہیں بل کہ نثری نظم تاریخی شعور کے باوصف سامنے آئی۔ فن کار ذاتی تخلیق پر توجہ دینے کے علاوہ اجتماعی سطح پر بھی سوچتے ہوئے نثری نظم تخلیق کرنے لگا دوسرے لفظوں یہ کہنا چاہیئے کہ فن کار داخلی زندگی کو اجتماعی زندگی سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرنے لگا اس میں ایسے الفاظ، تراکیب اور علامتیں استعمال کی گئیں جس میں شاعر کا مدعا صحیح طور بیان ہو سکے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

نثری نظم کے موضوعات میں سامراج کے خلاف مزاحمت بھی ہے اور اس سے نفرت کا اظہار بھی ہے اس میں شخصیت اپنے آپ کو چیلنج اور مقابلے کے سامنے کھڑا کرتی ہے یہی فضا جب نثری نظم سے متصف ہوتی ہے تو شاعری بغیر کسی منصوبہ بندی کے اظہار کے راستے تلاش کرتی ہے۔ بلاشبہ شاعری یا کوئی خیال جب غیر ارادی طور پر نظم کیا جاتا ہے جس کو شعری اصطلاح میں "آمد" کہا جاتا ہے اسی کے تحت شاعر میں خاص کیفیت جنم لیتی ہے خیال کو نظم کیا جاتا ہے جو جذبات سے بھرپور ہوتا ہے اور انہی جذبات کے تحت لکھی شاعری کو جب قاری پڑھتا ہے تو اس کی طبعیت میں بھی وہی اثر، وہی کیفیت اور وہی جذبات ہوتے ہیں، اسی کو کامیاب اور آفاقی حیثیت کا درجہ دیا جاتا ہے۔ مخدوم منور اپنی کتاب "نثری نظم کی تحریک" میں نثری نظم کے بارے میں فرماتے ہیں:

> "نثری نظم اس کے برعکس ایسی تخلیق ہوتی ہے جس کا فارم نثر کے قریب تر ہوتا ہے اور اس کا تعلق قطعی انشائے لطیف سے نہیں ہے۔ آج کے عہد کا نمائندہ جمالیاتی رجحان اور مسائل کا حل نثری نظم میں ہو رہا ہے۔ نثری نظم سے ایک توقع ہے کہ شاید اپنے عہد کا استعارہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس تحریک کی بنیاد ۱۹۷۳ء میں رکھی گئی اور ایک پوری نسل اس تحریک سے وابستہ ہے۔ اب تک جو نثری نظمیں سامنے آچکی ہیں ہم انہیں نمائندہ نثری نظمیں تو نہیں کہہ سکتے لیکن انہیں کامیاب نثری نظمیں ضرور کہہ سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد نثری نظم کو جبراً مسلط کرنا نہیں نہ ہی اسے لاٹھی کے زور پر منوانا ہے بلکہ تخلیق خود اپنی وضاحت کر دیتی ہے اور بات تجربوں سے ہی آگے بڑھتی ہے۔ اگر ادب میں تجربے نہ ہوں تو ادب تخلیق ہونا بند ہو جائے اب رہا یہ سوال کہ کیا یہ زندہ رہ جائے گی یہ تو آنے والا وقت بتائے گا کہ اگر اس میں مستحکم ہونے کی قوت ہو گی تو یہ زندہ رہ جائے گی۔ ورنہ معدوم بھی ہو سکتی ہے جو نثری نظمیں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں آج کا قاری غیر جانبداری سے فیصلہ کرے گا کہ واقعتاً اب تک نثری نظم کے حق میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس پر پوری اترتی ہیں اور یہ کہ وہ اپنے عہد کی سچی شاعری ہے یا نہیں۔"(4)

جہاں تک نثری نظم کے رجحانات کا تعلق ہے تو یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اس کی ابتدا فرانس سے ہوئی ابتدائی شعرا میں بودلیئر، ملارمے، سینٹ جون پرس، راں بو، پاؤل سیلان، لوترماں اور پابلو نیرودا ہیں جنہوں نے نثری نظم کی شعری فضا اور امکانات کا احساس کرتے ہوئے جدید شعریات میں نثری نظم کی ہیئت کو استعمال کیا۔ انیس ناگی کے مطابق نثری نظم بے ہیئتی کی ہیئت ہے۔ یعنی نثری نظم کی کوئی ہیئت نہیں ہوتی یہ جس انداز یا ہیئت میں لکھی جائے قابل قبول ہو گی۔ کبھی اس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں اور کبھی اس کو پیراگراف کی شکل میں بھی لکھا گیا ہے۔ فرق صرف اندرونی آہنگ کا ہے کہ اس کو بیان نہیں بل کہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔

مغرب میں (Prose Poem) نثری نظم کا تجربہ کامیاب ہوا تو اردو کے شعرا کی توجہ بھی اس طرف مبذول ہوئی اور اس کے شعری مزاج کو قبول کر لیا گیا ۔ یہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی کا دور تھا جب نومولود نظم کے تذکرے ہونے لگے کسی نے اسے قبول کیا تو کسی نے اسے رد اور کسی نے اس پہ بہت سے سوالات اٹھائے۔ مگر نثری نظم کا رجحان ایسا طاقت ور رجحان ثابت ہوا جس کی پیروی نہ صرف ہندوستان میں بل کہ اس کے بعد پاکستان میں ہونے لگی۔ وجودیت اور فاشزم کے نظریات نے نثری نظم اور اس کے رجحان کو ایسی مقناطیسی قوت فراہم کی کہ اس دور کا ہر شاعر اس نئی صنف کی طرف راغب ہوا یہاں تک کہ ۱۹۶۰ء میں جب معاشرے نے جدیدیت کا پیرہن زیب تن کیا تب نظم نے بھی جدیدیت کا راستہ اختیار کیا اور نظم ایک نئی شکل میں ظاہر ہوئی جسے نثری نظم کا نام دیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نظم معرا اور آزاد نظم کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت کیوں پیش آئی اور ایک ایسا رجحان نثری نظم کی تخلیق میں کیسے معاون ثابت ہوا۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ نظم معرا اور آزاد نظم کے ہوتے ہوئے نثری نظم کا تجربہ ہو چکا تھا جس کو ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے کئی ناموں سے متعارف کروایا گیا، جیسے کبھی شعر منثور اور کبھی ادبِ لطیف کہا گیا۔ اس دور کے شعرا نے اس صنف کو قبول کرتے ہوئے نثری نظم لکھنے کا آغاز کیا۔

نثری نظم چوں کہ شعری ادب میں نیا اضافہ تھا تو اس صنف کو ادب میں خوش آئند قرار دیا گیا جو روائت سے آزادی کی طرف ایک قدم تھا دوسری بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ادب میں اس تبدیلی کو جوش و خروش کے ساتھ اس لئے بھی قبول کیا گیا کہ آنے والے شعرا پرانے سانچوں کے استعمال کی استعداد نہیں رکھتے تھے لہذا وہ اسی کی طرف راغب ہوئے۔ متذکرہ بالا باتوں میں سے کوئی بھی بات درست ہو لیکن یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ نثری نظم کا وجود شعری ادب میں شامل ہو چکا ہے۔

شرر کے دل گداز میں شامل نثری نظم شعری تجربہ کی کامیاب کاوش ہے جس نے روایت پسند حلقوں میں بھی اپنا اعتبار قائم کر لیا ہے اس طاقت ور رجحان میں بہت سے نام شامل ہیں۔ مگر ابتدائی نمونے جن شعرا کے ہاں ملتے ہیں ان میں رابندر ناتھ ٹیگور، حسن لطیفی، سجاد ظہیر کے نام لئے جاتے ہیں۔ ساحل احمد نے اپنی کتاب "اردو نظم اور اس کی قسمیں" میں افکار پریشاں کا ذکر کیا ہے جو حسن لطیفی کا نثری نظم کا مجموعہ ہے انہوں نے اس کا سن اشاعت ۱۹۳۰ء لکھا ہے لیکن کچھ محققین نے سجاد

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

ظہیر کے "پگھلا نیلم" کو نثری نظم کا پہلا مجموعہ قرار دیا ہے جو ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا۔ پگھلا نیلم میں موجود نثری نظموں کو سجاد ظہیر نے فکری توانائی سے نوازا اور تحریکی زاویہ کا رخ متعین کیا۔ ابتدا میں جب نثری نظم کو پذیرائی نہ ملی تو سجاد ظہیر نے اس تعصب اور شبہات کو دور کیا جو شعرا اور ادبا میں پائے جاتے تھے اس بات کا اظہار انہوں نے پگھلا نیلم کے دیباچے میں بھی کیا۔ وہ تعصب اور شبہات یہی تھے کہ نثری نظم کا آغاز شاعری میں بحور اور اوزان کی آزادی سے ہوا ان لوگوں کا خیال تھا کہ شاعری میں خیالات کے اظہار میں اوزان اور بحور کی جو پابندیاں ہیں نثری نظم اس کا رد عمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نثری نظم نگار جنہوں نے نثری نظم کو تخلیق کیا ظاہر ہے وہ مغربی (Prose Poem) سے متاثر تھے انہوں نے اس کی تقلید کی اور نثری نظم کے رجحان کی پیروی کرتے ہوئے نثری نظموں کو تخلیق کیا۔ اس تحریک میں نوجوان شاعر زیادہ شامل تھے جو اس صنف سے متاثر تھے اور آج بھی نئے شعرا کی کھیپ میں بہت سے نثری نظم نگار شامل ہیں۔

ابتدا میں جو نثری نظم کے نمونے پیش کئے گئے وہ ترجمہ شدہ تحریریں تھیں۔ ٹیگور کی گیتانجلی کا ترجمہ عرض نغمہ کے نام سے ہوا۔ خلیل جبران کی نثری نظمیں، احمد ہمیش، مبارک احمد اور انیس ناگی نے مختلف مغربی شعرا کی نظموں کے تراجم کیے جو نثری نظموں کی طرف ایک قدم تھا۔ یوں ابتدا میں طبع زاد کم اور نثری نظموں کے تراجم زیادہ پڑھنے کو ملتے ہیں۔

منظوم تراجم کے بعد نثری نظم کا رجحان مزید آگے بڑھا تو طبع زاد نثری نظمیں لکھنے کا آغاز ہوا سجاد ظہیر اور اس کے بعد مبارک احمد نے اس کی پیروی کرتے ہوئے نثری نظم میں جو خیال پیش کیا وہ اپنے اندر جہان معنی رکھتا ہے۔ نثری نظم کی حمائت اور اس کی پیروی میں مبارک احمد نے جو نظم تخلیق کی اس میں نثری نظم کو ہی محور بنایا گیا ہے۔ نظم کے دو مصرعے ملاحظہ کیجئے:

میں نے زمین میں نیکی کا بیج بویا
اور آسمان سے مجھ پہ عذاب نازل کیا گیا

اس کا ایک مطلب تو یہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ نثری نظم کے وجود سے ہی طاقت ور لوگوں نے جو اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اعتراضات کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ اور دوسرا یہ کہ کمزور ہمیشہ اچھائی کے بیج بوتا ہے۔ مگر قوت و استبداد کے مالک انہیں نیکی نہیں کرنے دیتے۔ اگلے مصرعے دیکھیے:

پر وہ جس نے بدی پھیلائی
اس پر رحمت کی بارش ہوئی
اور وہ معزز ٹھہرا

اس کے علاوہ مبارک احمد کی نظم "میں اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں" (زمانہ عدالت نہیں) میں ظلم، جبر اور تحکم کے چوراہے میں آزادی کا بت نصب کر کے کہتے ہیں کہ اندھیرے کے ماتھے پر روشنی کی تحریر دیکھنے کے بعد لگتا ہے کہ نئے دن آنے والے ہیں۔ نثری نظم کے رجحان کو تقویت دینے والے ناموں میں قمر جمیل بھی معتبر نام ہے۔ قمر جمیل چوں کہ شاعری کے رموز و قواعد سے مکمل آگاہی رکھتے تھے اور بیک وقت غزل اور نظم کے شاعر تھے لیکن قمر جمیل کی نثری نظموں میں وہ پختگی دیکھی جا سکتی ہے۔

نثری نظم کے ابتدائی دور میں اسے رنگین نثر بھی کہا جاتا رہا کیوں کہ اس میں جذبات کے بہاؤ اور شدت احساس کے ساتھ ساتھ خیالات کی رنگینی اور استعاروں کا کثرت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ نثری نظم کے بہت سے نمونے ہمیں دیگر زبانوں کی قدیم نظموں میں بھی ملتے ہیں۔ ابتدائی نثری نظم نگار قافیہ، ردیف اور اوزان کی پابندی سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے اس لئے اس صنف کا تجربہ کیا گیا جو کسی حد تک کامیاب رہا انگریزی زبان کے شاعر والٹ ویمٹن، ترگنیف کی نثری نظموں کے نمونے ملتے ہیں مگر اس زبان میں نثری نظم کو زیادہ فروغ حاصل نہیں ہوا۔

ہندوستان میں جب نثری نظم کا رجحان ہوا تو رابندر ناتھ ٹیگور کی مشہور تصنیف گیتانجلی کو بھی نثری نظم تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ اس بھی پہلے میر ناصر علی دہلوی نے شاعرانہ اسلوب میں خیال آرائی اور حسن آفرینی کرتے ہوئے ایسے مرقعوں کا اضافہ کیا جو ان کے متنوع نگارشات کا ثبوت ہے گیتانجلی کا اردو ترجمہ جو عرض نغمہ کے نام سے کیا گیا اس سے بھی پہلے میر ناصر علی دہلوی کی تحریریں خیالات پریشان کے عنوان سے منظر عام پر آچکی تھیں۔ گویا انیسویں صدی کے آغاز سے ہی نثری نظم بتدریج لکھی جا رہی تھی۔ نیرنگ خیال کے ایڈیٹر حکیم محمد یوسف نے "پنکھڑیاں" کے نام سے جو تالیف کی ہے اس کے دیباچے میں حکیم یوسف لکھتے ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

"اردو زبان کا دامن جواہر سے مالا مال ہے۔ اس میں انشائے لطیف کے وہ غیر فانی مختصر ٹکڑے بھی ہیں جو وقتاً فوقتاً اردو رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ابتدا میں اپنی تخیلات کا عنوان دیا جاتا تھا اور ہر نو آموز ادیب اس عنوان کے تحت میں اشہب قلم کی جولانیاں دکھاتا اور کامل آزادی سے اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات کو جمع کر کے ایک مضمون کی صورت میں پیش کر سکتا تھا.....ابتدا میں اس قسم کے مضامین پسند نہیں کئے گئے اور یہ صرف نو آموز ادیبوں کا مشغلہ ہو گیا تھا، کہ یکایک ہندوستان کی ادبی فضا میں سر رابندر ناتھ ٹیگور کے ادبی کارنامے پھیل گئے اور آپ کا تصوف میں ڈوبا ہوا رنگین تخیل اس حد تک پسند کیا گیا کہ اس قسم کے تمام ادباء نے ٹیگور کی تقلید ہی میں عافیت دیکھی گو اس قسم متصلانہ تحریریں ٹیگور کا منہ چڑانے کے مصداق تھیں پھر بھی چند ایک ادبا نے اس میں کسی حد تک کامیابی حاصل کر لی یا بعض نے اپنے لیے جدید رنگ پیدا کیا۔ اور ایک نئی طرز کے موجد شامل کئے گئے مثل مولانا نیاز فتح پوری حضرت ساغر نظامی اور مولانا حنفی دہلوی جو لوگ اپنے لئے کوئی خاص طرز ایجاد نہ کر سکے وہ اسی ٹیگوریت میں ختم ہو گئے.....ابتدا میں اردو ادب کی یہ قسم زیادہ تر اردو رسائل کی بچی کھچی جگہ زینت بنتی رہی لیکن بعد ازاں بہت اچھی اچھی چیزیں آنے لگیں تو مستقل عنوانات کے ماتحت اپنی نمایاں جگہ دی جانے لگی۔ اردو کے بیشتر رسائل نے اس کام میں بہت سا قیمتی ذخیرہ مہیا کیا لیکن جس قسم کی چیزیں "نیرنگ خیال" میں شائع کی گئیں اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ کیونکہ نیرنگ خیال کے معاونین میں ان ادبا کی کثرت تھی جن کی رگوں میں تازہ خون موجزن تھا اور جو مشرقی ہونے کے ساتھ ساتھ مغربی علوم سے پورے طور فیضیاب تھے۔ ان کا تخیل بلند اور نظر وسیع تھی۔ اس لیے انہوں نے تخیل کی چیزوں کی جگہ کارآمد نتیجہ خیز اور سبق آموز ادبی جواہر پارے منتخب کئے۔"(5)

۱۹۲۰ء میں شائع ہونے والی جوش کی کتاب "روح ادب" میں شیخ عقیل نے اپنے مضمون "نثری نظم کی صنف..... ایک جائزہ" میں انہوں نے بتایا کہ ۱۹۲۰ء میں جوش کی روح ادب میں بھی نثری نظموں کے نمونے ملتے ہیں جوش نے "روح ادب" کو اپنے کلام کا سب سے پہلا مجموعہ قرار دیا ہے۔ جس میں اس نے بیتے دنوں کی سادہ و رنگین یادگار قلم بند کیا ہے جس میں نظمیں، غزلیں اور مضامین شامل ہیں۔ پابند نظمیں اور غزلوں کے علاوہ مضامین کے عنوانات بھی دیے گئے ہیں، ان میں رنگینیٔ الفاظ تو استعمال کئے ہیں مگر نثری نظم کا وجود دکھائی نہیں دیتا کیوں کہ نثری نظم ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی تو متذکرہ بالا شعرا کے ہاں بھی نثر لطیف با نثری نظم کا ہلکا سا عکس دکھائی دیتا ہے۔ جوش کے ایک عنوان کے تحت لکھی گئی نثری نظم کا نمونہ دیکھیے:

حسن کیا ہے؟
انسانی پیکر میں جلوہ دوست کی جھلک
فانی پنکھڑی پر سرمدی نقاشی، تاریک کرہ پر قندیل حقیقت کی چھوٹ
صحرائے ہستی کے ریشوں میں روحانی نغمہ
پہاڑوں کو پگھلا دینے والی لَو روحوں کو تڑپا دینے والا جذبہ
فولاد کو پانی کر کے بہا دینے والی حرارت،
سکون کو اضطراب سے بدل دینے والا پرتو
چلتی ہوئی تلوار، لپکتا ہوا کوندا، بھڑکتا ہوا شعلہ
تڑپتی ہوئی بجلی.....(6)

اس سے مزید آگے بڑھیں تو ۱۹۴۷ء میں بمبئی سے شائع ہونے والا رسالہ "خیال" ہے جس کے مدیر میراجی تھے۔ اس رسالے میں شامل نظمیں بحر و اوزان سے مبرا تھیں لیکن اُن میں احساسات و جذبات اور تخیل بہر طور پایا جاتا تھا۔ ناقدین کے مطابق ان نظموں میں نثری نظم کا رجحان ملتا ہے۔ ان کے بعد کئی شعرا نے اس کے ارتقاء میں میراجی کے تجربے کو اپناتے ہوئے نثری نظمیں لکھیں۔ یوں نثری نظموں کا سلسلہ چلتا رہا اور ۱۹۶۴ء میں سجاد ظہیر کے مجموعہ پگھلا نیلم پہلا نثری نظموں کا مجموعہ کہا جاتا ہے۔ سوائے دو تین نظموں کے، اس مجموعہ میں نثری نظمیں پڑھنے کو ملتی ہیں یہ شاعر کے دل سے نکلی ہوئی آواز کا مجموعہ ہے اسی دور میں اعجاز احمد کی نثری نظمیں "سویرا" اور "سوغات" میں شائع ہوئیں۔ جنہیں قارئین نے بہت پسند کیا۔ یہی نثری نظم کی ترویج کی ایک اور کاوش ہے اور یہ رجحان آہستہ آہستہ ۱۹۷۴ء میں

باقاعدہ نثری نظموں کے شعرا کا جھرمٹ بن گیا جنہوں نے علامت، تخیل کی بلند پروازی احساسات اور جذبات کا نثری نظم میں ایسا فطری بہاؤ پیش کیا جس نے نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان میں بھی شعرا انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مسائل پیش کرنے لگے۔ ہندوستان میں جن جن شعرا نے اس رجحان کے تحت نثری نظمیں تخلیق کیں ان میں میراجی اور ن۔م۔ راشد کے ساتھ خورشید الاسلام، باقر مہدی، بلراج کومل، ندا فاضلی، عادل منصور، صلاح الدین، زبیر رضوی صادق، ظفر احمد، اعجاز احمد، احمد ہمیش اور شمیم انور نے نثری نظم کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اسی طرح پاکستان میں مبارک علی، انیس ناگی، سلیم شہزاد، عبدالرشید، زاہد ڈار، سلیم الرحمٰن، افضال احمد سید، ثروت حسین، اصغر ندیم سید، منیر نیازی، ساقی فاروقی، قمر جمیل، رئیس فروغ، یوسف کامران، اسد محمد خان، محمد علوی، سعادت سعید، ذیشان ساحل اور خواتین شعرا میں کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، سارا شگفتہ، نسرین انجم بھٹی، سیما خان، شائستہ حبیب، عذرا عباس، فاطمہ مہر و اور سدرہ سحر عمران شامل ہیں۔

نثری نظم کا رجحان اور تیزی سے بڑھا اور اس کے معماروں میں مزید شعرا شامل ہوئے جن میں نصیر احمد ناصر، ناہید فرحت قمر، علی محمد فرشی، آفتاب شمیم، عشرت آفریں، انجم سلیمی، ابرار احمد، سعیدی الدین، مصطفیٰ ارباب، ساحر شفیق، حفیظ تبسم، زاہد امروز، توقیر رضا، جمیل الرحمٰن، وجیہ وارثی، سید کاشف رضا، صدیق عالم (انڈیا) اور سعید الدین وغیرہ شامل ہیں۔ ان شعرا نے منفرد آہنگ اور نئی لفظیات نثری نظم کو آراستہ کیا اور اس صنف کی الگ پہچان بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ حالاں کہ اس کی ابتدا ہندوستان سے ہوئی مگر پاکستان کی نسبت ہندوستان میں اس کی زیادہ مخالفت کی مگر پھر بھی ہندوستان میں نثری نظم لکھنے کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ ہندوستان میں موجودہ دور کے نثری نظم نگار خلیل مامون، عذرا پروین، پرتپال سنگھ بیتاب، شہناز لطیف، فیاض رفعت، شبنم عشائی، فوزیہ فاروقی، نعمان شوق، مظہر مہدی کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے شعرا نثری نظم کے رجحان اور روایت کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ نثری نظم "نظم" کے میدان میں نئے امکانات کا وسیلہ ہے اور اسی وسیلہ سے نیا شعری رُجحان پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی رجحان کے تحت مزاج اور روایت کی فرسودہ گرہ کو کھول کے نظم کے میدان میں ایک قدم آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1. منظر اعظمی، ڈاکٹر، "اُردو ادب کے ارتقاء میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصّہ"، اتر پردیش اُردو اکادمی لکھنؤ، 1996ء، ص26
2. ایضاً، ص25
3. انور سدید، ڈاکٹر، "اُردو ادب کی تحریکیں"، انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اُردو روڈ، کراچی، 1985ء، ص46، 45
4. منور، مخدوم، "نئی نظم کی تحریک"، ادبی معیار پبلی کیشنز، صدر کراچی نمبر 3، ص52
5. محمد یوسف حسین، حکیم، ایڈیٹر، "نیرنگِ خیال"، پنکھڑیاں، دیباچہ، نیرنگِ خیال بک ڈپو، لاہور، نومبر 1929ء، ص6، 5
6. آبادی، جوش ملیح، "روحِ ادب"، مکتبۂ اُردو، لاہور، ص148